من پنچھی بے چین



فرحت عباس شاہ

فہرست



پربت پربت اُڑے پھرے ہے من پنچھی بے چین
جانے کہاں کہاں لے جائیں سانوریا کے نین

آؤ کہیں چھپ کر روتے ہیں ورنہ نگری میں
کوئی سُنے نا ہُوک دلوں کی کوئی سُنے نا بین

دِھیرے دِھیرے دُھندلا ہوتا جاتا ہے مہتاب
بیت چلا ہے جیون، جیسے بیت چلی ہو رین

ہم تو جیسے دل آنکھوں میں لے کے پھرتے ہوں
بیٹھے بیٹھے ہنسی ہنسی میں رو دیتے ہیں نین

بولو فرحت آخر کس کو دیکھ کے آئے ہو
مُدت بعد تری آنکھوں میں دیکھا ہے سُکھ چین

آزادی

من پنچھی بے چین سمجھ
سینے اور فضا میں کوئی فرق نہیں
پنجروں کے مابین سمجھ
پنچھی کی آزادی اور سکون تو اس کی
من مرضی میں ہوتے ہیں

کائنات

بس اک تجھ سانول کی ذات ہے
اپنا کُل جہان
باقی وہم گمان

رخصتی

چھوڑ کے گھر سُنسان سُہاگن
لوٹ چلی مہمان سُہاگن
دہلیزوں کے کھیل نرالے
ہر بابل کے دیکھے بھالے
سو سو وہم گُمان

سو سو وہم گمان سُہاگن
لوٹ چلی مہمان سُہاگن
چھوڑ کے گھر سُنسان سُہاگن
لاکھ جتن کر دیکھے پورے
رہ جانے تھے رہے اَدھورے
امّاں کے ارمان
امّاں کے ارمان سُہاگن
لوٹ چلی مہمان سُہاگن
چھوڑ کے گھر سُنسان سُہاگن
مہمانوں کو گھر جانا ہے
اِک دن چھوڑ کے دَر جانا ہے
رب کے پاس امان سہاگن
رَب کے پاس اَمان
لوٹ چلی مہمان سُہاگن
چھوڑ کے گھر سُنسان
چھوڑ کے گھر سُنسان سُہاگن

(۱۱)

پی نہ مِلن کو آئے سانول
مَن پنچھی کرلائے سانول

دل مُحتاط طبیعت والا
بِن پرِیتم پچھتائے سانول

تیری آس پہ بیٹھے بیٹھے
برکھا بیت نہ جائے سانول

اندر بیٹھا ڈیرے ڈالے
گھڑی گھڑی بھکائے سانول

آگ لگا جائے اشکوں میں
پلکوں کو سُلگائے سانول

بھیڑ سے سہما ہوا ہوں شاید
تنہائی بہلائے سانول

کون دِلاسہ دے زخموں کو
کون اِنھیں سمجھائے سانول

غم آ جاتے ہیں رستے میں
دامن کو پھیلائے سانول

ہنستا رہنے والا فرحت
چُھپ چُھپ نیر بہائے سانول

قدر

بے چینی اَنمول دِوانے
بے چینی اَنمول
مٹّی میں مت رول

گریہ

بارش وار برس جاتے ہیں
بادل رو کے کون
آنسو پونچھے کون

امّاں نی

امّاں نی میری آنکھیں ترسیں
سانول آس نہ پاس
امّاں نی میری نیندیں بھاگیں
مجھ سے کوسوں دُور
امّاں نی مرے سپنے ٹوٹے
چُبھ گئی سینے پھانس

امّاں نی میں پیاس سے تڑپی
دل دریا کے بیچ
امّاں نی مری سُنے نہ کوئی
ہاری کر کر بین
امّاں نی مری کشتی ڈُوبی
عین کنارے پاس
امّاں نی مرا سانول بچھڑا
ساون رُت کے پار
امّاں نی مرے اندر بادل
بارش روکے کون
امّاں نی میں ہوئی اکیلی
شہر میں ایک ہجوم
امّاں نی میں نے چاند چُرایا
جیون ہوا اندھیر
امّاں نی میں نے عشق کیا ہے
سہہ لونگی حالات
امّاں نی مرے نین سہاگی
دل برہا کی مانگ



درد نہ جانے ریت نی مائے
اس کے اپنے گیت نی مائے

گُڑیا سے اب دل نا بہلے
چاند گیا ہے جیت نی مائے

وقت نے بیت ہی جانا تھا اور
وقت گیا ہے بیت نی مائے

کرتا پِھرے ہے دل دُنیا میں
من مانی من مِیت نی مائے

بِچھڑ گئی کوئل باغوں سے
بِچھڑ گیا سنگیت نی مائے

باقی سارے رِشتے جھوٹے
سچّی تیری پرِیت نی مائے

معرفت

سات سمندر گہرائی میں اُتر کے دیکھا
پھر بھی لاگے
ایک سمندر اور ابھی ہے
ایک سمندر اور

کمتری

سورج کے سینے کے اندر
نیزا گاڑے کون؟

بھاگ خرید کے لائی نی میں

آگ خرید کے لائی نی میں
آگ خرید کے لائی
دُنیا داری، قسمت ماری
شکلیں بدلے روز
دل کی ایک نہ چلنے دے اور
عقلیں بدلے روز

عشق کے کاروبار میں پڑ کر اچھا نفع کمایا
گھڑی گھڑی، پل پل کو اپنے دل کا ماس کھلایا
تَن، مَن، دَھن سب بیچ دیا اور
بھاگ خرید کے لائی نی میں
بھاگ خرید کے لائی
کوئل لینے گھر سے نکلی
کاگ خرید کے لائی نی میں
کاگ خرید کے لائی



میں پنچ، کنیز، گدا ڈھولا
مری اُجڑی مانگ سجا ڈھولا

دیوانہ ہے مغرور بہت
مرا شکوہ کرے ہوا ڈھولا

مرا دل رستے پر آن پڑے
مری کر منظور دُعا ڈھولا

تو سمت کے ایک ہوا مجھ میں
مرے بکھر گئے اجزا ڈھولا

کچھ دل میں درد سمایا ہے
کچھ سر میں ہے سودا ڈھولا

وہ بولا میرے لہجے میں
میں نے جتنی بار کہا ڈھولا

تقسیم

دن کو آدھا آدھا کر لینے میں
کوئی حرج نہیں ہے
رات کی بات الگ ہے ساجن
رات کی بات الگ

محبوب

من کے اندر تاڑ لگا کر بیٹھ گیا ہے
دھوکہ کیسے دوں؟

من مندر

چَنچل چال چلا چندِرما
سو سو جتن کریں جل پریاں
جی بھر دیکھ نہ پائیں
آنکھوں کی جل پریاں جس کو جی بھر دیکھ نہ پائیں
دُور دُور تک پھیل گیا ہے جیون کے بَن میں
جیون بن میں جھیلیں ترسیں

پیڑ بلائیں، رستے راہ تکیں
من مندر
من موہن بستی
من ماہی من میت
جگ کی اپنی اپنی رسمیں
اپنی اپنی رِیت
من مرضی کا شاہ نرالا
ہار کے جائے جِیت
برسوں بعد دریچے کھولے
کُھل کے کھیلے پریت
چنچل چال چلا چندرما
آن اُترا من میں

○

ترس گئے ہیں نین جیا بے چین رہے
سُن سُن اپنے بین جیا بے چین رہے

اُس سے، جو، خاموشی سی چھائی ہے، ہم
دونوں کے مابین جیا بے چین رہے

ساری ساری شام تمہاری راہ تکے
ساری ساری رین جیا بے چین رہے

دل کی تاریں ملی ہوئی ہیں آپس میں
سانول ہے بے چین جیا بے چین رہے

آدھا آدھا چاند کہاں راس آتا ہے
دیکھ دیکھ قوسین جیا بے چین رہے

اِختیار

ایک ستارہ ماتھے پر ہے
ایک ستارہ دُور

ظاہر باطن

چہرے مُہرے سے لگتا تھا
اُچھا ہے
اتنی مدّت بعد مِلا تھا
خوش حالی کی خواہش بھی کیسی خواہش ہے
چہرے مُہرے سے لگتا تھا اچھا ہے ' پر
دل کا حال خُدا جانے

سانوریا

سج سجّل سُرخاب سنوریا
ہاتھ لگے تو میلا ہو
گُل گوری گاگریا والی
گال سَندُور میں دُودھ
چاندی بھَر بھَر چاند چھپتا
پائل کو چمکائے

شام ہنسے، شرمائے شہابی
دیکھ دیکھ دِلدار
گیت، گگن گائے گِن گِن کے
گُم سُم یار کے گُن
گُم سُم بیٹھے یار سجن کی
باتیں کرے ہزار نظریا
ہو جائے آباد نگریا
سیج سجّل سُرخاب سنوریا
ہاتھ لگے تو میلا ہو



جب سے ہُوا تُو آنکھوں میں مہمان پیا
اُڑتے پھرتے ہیں ہر سو اِرمان پیا

پیڑ بھی تم بن اُکھڑے اُکھڑے پھرتے ہیں
اور راہیں بھی پھرتی ہیں ویران پیا

تُو نے کونسا پیچھے مُڑ کر دیکھا ہے
ہنستا بستا شہر ہُوا سُنسان پیا

دُکھ میں سب ہو جاتے ہیں انجان پیا
ان باتوں پہ کیا ہونا حیران پیا

عقل پہ پردہ پڑتا ہے تو پڑنے دے
جاتا ہے تو جانے دے ایمان پیا

تو جو ہم سے دُور

ہم بے چین نصیبوں والے
کیسی کیسی خلش کے ہاتھوں
ہوتے ہیں مجبُور
تُو جو ہم سے دُور وے سانول
تُو جو ہم سے دُور

آس اُمّید کی کُونج

آس اُمّید کی کُونج مسلسل کُرلائے
جو دانستہ بچھڑ گیا ہو
کون اُسے واپس لے آئے
آس اُمید کی کُونج تو بیچاری پاگل ہے

جوگی

ساجن کہیں نہ پائے جوگی
نگر نگر منڈلائے جوگی
روگی ہو بیٹھا دیوانہ
چین کہاں سے لائے جوگی
چاہ کی بھول بھلّیاں اندر
اپنا آپ گنوائے جوگی

دل کا صحرا دیکھ کے
ساون کیوں پچھتائے جوگی
دَر دَر جا کے ہوا سوالی
اپنا قول نبھائے جوگی
شہروں سے تھک ہار کے آخر
ویرانوں میں آئے جوگی
اِک چھوٹی سی کُٹیا اندر
پورا شہر بسائے جوگی
کسی جُدائی کے پنجرے میں
مَن پنچھی کُرلائے جوگی

۱

دِلدار، مِرے دل جان مِرے سُلطان پِیا
مِرے پُورے کر اَرمان مِرے سُلطان پِیا

یہ دل، یہ بچھڑے ہوئے مکینوں کا مسکن
یہ شہر بہت ویران مِرے سُلطان پِیا

یہ جنگل، درد، پہاڑ، مصیبت، ڈر، صحرا
ترے کرم سے سب آسان مِرے سُلطان پِیا

مری بے چینی، مجھے عین عبادت لگتی ہے
مرا عشق پہ ہے ایمان مرے سُلطان پیا

مجھ چکنا چُور کا اَب تو یہی سہارا ہیں
مرے سپنے، وہم، گمان مرے سُلطان پیا

میں تیرا داس غلام ہوں نوکر ہوں مولا
تو سَدا مرا سُلطان، مرے سُلطان پیا

مجھے بینائی دے راہ بتا منزل دِکھلا
میں اندھا میں انجان مرے سُلطان پیا

ہم دیوانے

ہم دیوانے
سفر سفر تنہائی اپنے دل پر جھیلیں
رستے ہیں سُنسان
جِن رستوں پر ایک ہجوم ہے
اِن رستوں پر چلنے والے اور وہ رستے
آپس میں اک دھوکہ منزل کھیلیں
منزل ہے حیران

صدمہ

دَر کھولا تو
دُور دُور تک ویرانی تھی
جانے کس نے دستک دی تھی دروازے پر؟

ترے سنگ سجن

ترے سنگّ سجن
مرے رنگّ سجن
مری جھوٹ فریب
سے جنگ سجّن
کبھی واپس کر
مرا جھنگ سجن
سانسیں مُشکل

دل تنگ سجن
میں اُڑتی پھروں
پتنگ سجن
حق ہُو بولے
اَنگ اَنگ سجن
تُو میرا ہے
سب دنگ سجن



اب دُور ہی رہ یا مِل سجناں
تجھے سونپ دیا ہے دل سجناں

اب خوشبو ہر سُو پھیلے گی
اِک زخم گیا ہے کِھل سجناں

ہر رات ترے بن سینے پر
ہے دَھری ہوئی اِک سِل سجناں

ہر حُسن میں وار دوں تم پر سے
کیا آنکھیں، عارض، تِل سجناں

سینے میں مِیٹھا مِیٹھا دُکھ
آنکھوں میں ہے جِھلمِل سجناں

دیوانگی

دل اور دل کے بیچ جو صحرا پڑتا ہے
عقل کے پاس تو پیر بھی مانگے تانگے کے ہیں
ہاں البتہ دیوانوں کی بات الگ ہے

دیر نہ کرنا

فرحت اتنی مُدّت بعد تو گھر آیا ہے
اس کے پیروں کے چھالوں کی کچھ نہ پوچھو
ہاتھوں کے زخموں کی بات بھی چھوڑ ہی دو
آنکھوں کی تحریریں پڑھنا آتی ہیں تو
اِک لمحہ بھی دیر نہ کرنا
اِن آنکھوں کو اپنے دل کا حال چھپانا آتا ہے.... یہ....
پَل میں حال چُھپا جائیں گی

دھُوپ

اِک دھُوپ انوکھی درد کی
مِرا روپ کرے تبدیل

کبھی تنگ رگوں میں دوڑتی
کرے روشن دل قنّدیل

کبھی تڑپے سوچ، سوال میں
کبھی جاگے خواب نگر

اِک دھُوپ انوکھی درد کی
مرے دل میں کر گئی گھر

مرے دل کو کرے اُچیل



تم بِن درد ہزار وے ڈھولا
دُوری سے نا مار وے ڈھولا

کبھی کبھار اپنی آنکھوں سے
تنہا تنہا بہنے والے
آنسو کیے قطار وے ڈھولا
تم بن درد ہزار وے ڈھولا

شرم حیا بھی آڑے آئے
صبر زبان پہ جم جم جائے
دُکھڑے کریں پُکار وے ڈھولا
تم بن درد ہزار وے ڈھولا

تُو منزل، تُو دَر، تُو رستہ
تیری ذات کا پھیل گیا ہے
چاروں سمت حصار وے ڈھولا
تم بِن درد ہزار وے ڈھولا

آتش سی کوئی بھَری لہو میں
سینہ کر گئی دھواں دھواں
من میٹھا من ٹھار وے ڈھولا
تم بِن درد ہزار وے ڈھولا

نیندیں شب بھر پاس نہ آئیں
دھڑکَن دھڑکَن بوجھ نرالا
کر بیٹھے ہیں پیار وے ڈھولا
تم بِن درد ہزار وے ڈھولا

ساری عمر رِیاضت کر کے
ہم نے تو بس ایک ذرا سا
واپس کیا اُدھار وے ڈھولا
تم بِن درد ہزار وے ڈھولا

ساوَن

ساوَن کی بُنیاد میں کس کے آنسو ہیں؟
صدیوں پہلے شاید کوئی
صدیوں بیٹھ کے رویا ہے

اِشتراک

رات ہمیں راس آجاتی ہے
دُکھ سُکھ کی ہے سانجھ
ہم دونوں ہیں بانجھ نصیبوں والی صدیاں
صدیوں سے ہیں بانجھ

اندھیروِے سانول

کاٹ دے رات اَندھیروِے سانول
دیکھیں لوگ سویرِ وے سانول

حوصلے والی ہِمّت والی
اب وہ پہلی بات نہیں ہے
اب تو دَرد سمندر بن کے
ٹوٹی پھوٹی کشتی جیسا
دِل لیتا ہے گھیر وے سانول

شام ڈھلے تھک ہار کے یادیں
دل کے گھر میں لوٹ کے آئیں
اپنے اپنے دِیپ جلائیں
آدھی آدھی رات کو اٹھ کر
دُکھ لیتے ہیں گھیر وے سانول

ہاتھ میں دِل کا ہاتھ نہیں ہے
سفر بہت لمبا ہے لیکن
اپنا آپ بھی ساتھ نہیں ہے
ایسے عالم میں تو اکثر
ہو جاتی ہے دیر وے سانول

میں چاہوں اور تُو نا چاہے
زَخموں پر زَخموں کے پھَاہے
قَدَم قَدَم پر دو دو راہے
ہاتھ پاؤں میں چکر ہے یا
سب قسمت کا پھیر وے سانول

کاٹ دے رات اَندھیر وے سانول
دیکھیں لوگ سویر وے سانول

مرے دل میں بَسو

میں داسی ڈھولن یار کی
مری پوری ہوئی مراد

اک آ کے یار کی قید میں
ہوا تَن مَن دَھن آزاد

مری لُوں لُوں کوکے ہجر میں
کرے دَم دَم دِل فریاد

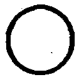
کوئی درد مُصَلّیٰ ڈال کے
مری مسجد کر آباد

تَضَاد

بھولی بھالی شکلوں والے
سَو سَو کریں فریب

قبرستان

آؤ!
مل کے قبرستان سے ہو آتے ہیں
ایک نہ اِک دن
اک دُوجے سے
آخر بچھڑ کے آنا ہے



مَر جانا رِیت جہان پیا
سب دو پَل کے مہمان پیا

آنکھوں میں بہت سے سپنے ہیں
ہیں دل میں بہت ارمان پیا

دو چار قَدَم پر منزل تھی
کس جا ٹوٹے پیمان پیا

کیا لوگ کہیں جا اور بسے
کیوں بستی ہے سنسان پیا

بس آنکھوں پر مت جا میری
مرا دل بھی ہے ویران پیا

سب یار بھی آنکھیں پھیر گئے
اور تو بھی ہوا انجان پیا

ہے ایک اکیلا دنیا میں
دیوانے کو پہچان پیا

اس راہ پہ درد مسافت ہے
یہ راہ نہیں آسان پیا

اس عشق میں شرطوں پر اکثر
لگ جاتا ہے ایمان پیا

اوقات

سورج کے کشکول میں
سکّہ ڈالے گا...... تو
تیرا اپنا چھوٹا پن جل جائے گا

بے فیض

اپنے پیر جلیں تو دنیا
پیڑ کی مانگے خیر

پاگل مَن بیمار

دل کے روگ ہزار وے سائیں
دل کے روگ ہزار
کوئی آر نہ پار وے سائیں
کوئی آر نہ پار

پَل بھر کو بھی چَین نہ پائے
پاگل مَن بیمار وے سائیں
پاگل مَن بیمار

اکھیاں ترس گئی ہیں، تیرے
کب ہوں گے دیدار وے سائیں
کب ہوں گے دیدار

جیون جل جل راکھ ہونے کے
اچھے ہیں آثار وے سائیں
اچھے ہیں آثار

آنکھوں کا جنگل کیا بولے
گونگے ہیں اشجار وے سائیں
گونگے ہیں اشجار

دِل اور ہجر کی جنگّ ہے سانول
درد ہوا سالار وے سائیں
درد ہوا سالار

تم بِن جگ میں پھرے ہے فرحت
بیچارا بے زار وے سائیں
بیچارا بے زار

دُنیا

دنیا گورکھ دُھندا سائیں
دنیا گورکھ دھندا
سچی بات کا مَندا سائیں
سچی بات کا مندا

دم دم میں لاچاری بولے
قدم قدم بیماری بولے
دنیا درد پلیندا سائیں
سچی بات کا مندا سائیں

لاکھوں درد فریب وے ڈھولا
پیروں کی پازیب وے ڈھولا
ایک اکیلا بندہ سائیں
سچی بات کا مُنڈا سائیں

دنیا کالی میل کچیلی
بے "برکت" "بُد" جیسی ویلی
کر دیتی ہے "گندا" سائیں
سچی بات کا مندا سائیں
دنیا گورکھ دھندا سائیں
سچّی بات کا مُنڈا سائیں

اپنا اپنا رُوپ

یک طرفہ چاہت لا حاصل
بھلے دِکھائے روپ
نا چھاؤں نا دھوپ

عشق

سات سمندر تیر آتی ہے
ایک اکیلی جان

دَردشناسی

دُکھڑے کھا گئے ماس ہمارا
دُکھڑے کھا گئے ماس
تَن دھاگے سے آن ملا ہے
دھاگہ ٹوٹ بھی جائے
مَن جاگے تو وحشت بھاگے
بَن بَن نگر نگر

ہجر نہ آئے راس ہمیشہ
ہجر نہ آئے راس
پیاس کا دریا ٹھاٹھیں مارے
روحیں ہوئیں اداس
اک وہ ناواقف دُکھ سُکھ سے
اک ہم درد شناس
ہم جو درس شناس ہوئے تو
دُکھڑے کھا گئے ماس ہمارا
دُکھڑے کھا گئے ماس



چُپ نہ رہو بے چین مسافر
بیت چلی ہے رَین مسافر

اور نہیں تو دل کے بارے
کچھ تو کہیں گے نین مسافر

جنگل میں کوئل کُرلائے
ہر سو گونجیں بین مسافر

تیری آس میں رو دیتی ہیں
شام ڈھلے طرفین مسافر

گرد میں گرد ہوا آخر کو
رستوں کے مابین مسافر

پاؤں سے جانے کون اُتارے
چھالوں کے نعلین مسافر

تماشا

روز اُداسی چہرہ بدلے
روز دِکھائے ہاتھ
روز اک نئے سَرے سے کھیلے
بازی دل کے ساتھ

وقت

ورنہ تو ہم کبھی نہ بچھڑیں
شام اور مجھ کو
رات الگ کر جاتی ہے

سائیں سائیں کُوک محبّت

سائیں سائیں کُوک محبّت
سائیں سائیں کُوک
اِکلاپے کی مار نِرالی
جیون نِیلو نِیل
اَٹک اَٹک کر آہیں نِکلیں
سینے اندر کیل

درد عدالت چپ دروازے
کوئی نہ سُنے اپیل
اِکلاپے کی مار نرالی
جیون نیلو نیل

سائیں سائیں کُوک نصیبا
سائیں سائیں کُوک
دل میں عجب اندھیرا پھیلا
بینائی بے چین
ایک جھلک دِکھلا کے سانول
اوڑھ گیو رے رین
جنگل جنگل، صحرا صحرا
گونجیں دل کے بین
گھائل ہو گئے نین مسافر
گھائل ہو گئے نین
سائیں سائیں کُوک نصیبا
گھائل ہو گئے نین

سائیں سائیں کُوک جیارا
سائیں سائیں کُوک

سائیں سائیں کُوک
جیت گئی کوئی رات انوکھی
سورج کے اُس پار
اک اک گر کر اشک ستارے
دل کو مار گئے
جتنے رنگ امنگوں کے تھے
سب اُس پار گئے
سائیں سائیں کُوک جیارا
سائیں سائیں کُوک نصیبا
سائیں سائیں کُوک مسافر
سائیں سائیں کُوک

بات نرالی

سائیں کی ہر بات نرالی
کبھی کبھی تو
دانا دُنکا چگنے والے
پنچھی بھی بھٹکا دیتا ہے
کبھی کبھی تو
عمر کے بھولے بھٹکے ہوئے پرندوں کو بھی
گھر کی راہ دِکھا دیتا ہے



باہر دھڑکے یا اندر دل
دیوانہ مست قلندر دل

سینے میں لے کر پھرتے ہیں
ہم اک بے چین سمندر دل

خالی ہے کتنی صدیوں سے
خاموش پرانا مندر دل

اک عشق میں کیا لاچار ہوا
فاتح، سالار، سکندر دل

بس تڑپ تڑپ کر رہ جائے
سینے کے اندر اندر دل



مرے دریا، دشت، شجر سائیں
تری راہ میں خاک بہ سر سائیں

مرا دل، دہلیز تری مولا
مری پیشانی ترا در سائیں

ہر رات تمہارے رستوں پر
مرے سپنے کریں سفر سائیں

تم بن یہ دل تو اُجڑ گیا
کبھی آن بساؤ گھر سائیں

منہ زور اڈاریاں مارے دل
ترے عشق لگائے پَر سائیں

میں نے غم کا ڈنک نکال دیا
اب کوئی خوف نہ ڈر سائیں

تری شاخ سے جا کر اُلجھ گئی
بے چین، اُداس، نظر سائیں

ماہی بِن دریا وے سائیں

سائیں دل دیوانہ کو کے
آنسو کریں پُکار وے سائیں
رو رو آنکھیں تھک ہاریں تو
روح اٹھائے بار وے سائیں
کون اٹھائے گھائل جی پر
گری ہوئی دیوار وے سائیں

دھڑکن دھڑکن درد کراہے
سانس ہوئی بیمار وے سائیں
تم بن کس کی راہ تکیں ہم
بیچارے لاچار وے سائیں

سائیں مَن تڑپے ہے جیسے
ماہی بن دریا وے سائیں
زخموں کی پوشاک پہن کر
ہنسی خوشی دنیا داروں کو
پیار پریت کی راہ پہ چل کے
ہم نے دیا دِکھاوے سائیں
عمر کا بچھڑا ہوا ہمارا
کبھی اچانک یاد آئے تو
سینے کی جھیلوں سے نِکلے
ظالم سرد ہوا وے سائیں
صدیوں کے بھولے بھٹکوں کو
ہجر کی بھول بھلیاں اندر
کب تک چلتے رہنا ہوگا
بچھڑے یار مِلا وے سائیں

سائیں مَن پنچھی گھبرائے
شالا کسی کو قید نہ آئے
اندر آتش شور مچائے
باہر کھُلی فضا تڑپائے
پنجرہ مارے ڈنگ وے سائیں
خواہش خواہش کی آپس میں
چھڑ جاتی ہے جنگ وے سائیں
کشتی پار اُتر تو جاتی
رَستے میں تھا جھنگ وے سائیں

میں نے اُس کا سوگ منایا
اس نے خوشی منائی میری
اپنی اپنی عادت مولا
اپنے اپنے رنگ وے سائیں
سائیں من پنچھی گھبرائے
سائیں دل دیوانہ کُوکے
سائیں من تڑپے ہے جیسے
ماہی بن دریا........

تَن تنہا

ہم تو تیری خاطر سائیں
اپنے آپ سے بھی لڑنے کو نکل پڑیں گے
لیکن سائیں
ان کاموں میں بَستی ساتھ نہیں دیتی
یہ بھی ممکن تھا کہ ہم بھی
بَستی بن کے چُپ سادھے آرام کریں.....
لیکن سائیں
اِن کاموں میں ہَستی ساتھ نہیں دیتی



دَم، دُنیا، دل، دِلدار سجَن
کِس دن ہوگا دِیدار سجَن

بس پَل پَل ایک تُجھے ڈھونڈیں
آنکھیں دیوانہ وار سجَن

کچھ میں بھی دریا تیر آؤں
کچھ تُو بھی گرا دیوار سجَن

تم مُرشد، پیر طبیب مرے
میں بے چارہ بیمار سجَن

جب تک تیری مرضی نا ہو
سب چارے ہیں بے کار سجَن

مولا

معبود مہان مہا مولا
مری مشکل مول مٹا مولا

نمناک نظر ناراض نہیں
عاجز ہے عجز، قبول کرو
دلدوز دراز دعا مولا

سر، لے بے۔ سر، بے تال ہوئی
تھک ہار چکا تھا تھیا تھل
بستی بیمار بسا مولا

سب خیر، خُمار، خیال خَلا
سب سوچ بچار سراب سَدا
جو کچھ بھی ہے سمجھا مولا

معبود مَہان مَہا مولا
میری مُشکل مول، مِٹا مولا

صحرا صحرا بھاگے

دیوانوں کے بھاگ نہ جاگے
صحرا صحرا بھاگے
گلی گلی کی خاک بھی چھانی
دُکھ اور سُکھ کی ایک نہ مانی
رات رات بھر جاگے
بے تابی کا دیس بسایا

بے چینی کا رَنگ رچایا
دل کے آگے آگے
پور پور پر زخم سجائے
قدم قدم پر بوجھ اٹھائے
دنیا کو کیا لاگے
پیارے دل کو لوٹ ہی جائیں
جانے کس پَل ٹوٹ ہی جائیں
سارے کچّے دھاگے
دیوانوں کے بھاگ نہ جاگے
صحرا صحرا بھاگے

ماہی ماہی کُوک دِلا

ماہی ماہی کُوک دِلا
بس ماہی ماہی کُوک
جنگل، شہر، سمندر، صحرا ہر جا ہوئی اُداس
وحشت اندر غضب مچاوے چین نہ آئے راس
بستی میں رہ کر بھی ہیں ہم دیوانے بن باس
سانس بھی لیں تو سینے سے اُٹھتی ہے اکثر ہُوک

ماہی ماہی کُوک دِلا
بس ماہی ماہی کُوک
کونسا لمحہ ایسا ہے جب آنکھ نہیں پُرنم
قدم قدم پر کوئی نہ کوئی آ ملتا ہے غم
لیکن ماہی کی خاطر یہ سب لگتا ہے کَم
زخموں کے کوہسار بھی سہہ جاتی ہے جانِ مَلوک
ماہی ماہی کُوک دِلا
بَس ماہی ماہی کوک

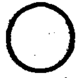
کبھی بادل وار برس سائیں

کبھی بادل وار بَرس سائیں
مرا سینہ گیا تَرس سائیں

میں توبہ تائب دیوانہ
آباد کروں کیا ویرانہ
مری بَس سائیں مری بَس سائیں
کبھی بادل وار بَرس سائیں

اس عشق نے عجب اَسیر کیا
خود دِل سینے میں تیر کیا
کیا چلے گی پیش و پَس سائیں
کبھی بادل وار برس سائیں

ہم بھی کچھ کُھل کر سانسیں لیں
اشکوں سے دُھل کر سانسیں لیں
کچھ گھول فضا میں رَس سائیں
کبھی بادل وار برس سائیں



دِل رُوئے زاروزار سجَن
ترا کب ہو گا دیدار سجَن

ترا ہر لمحہ احساس پیا
ترے ہر جانب آثار سجَن

اور تیرا کام مسیحائی
ہم صدیوں کے بیمار سجَن

اِک ویرانی، اِک تنہائی
تُو ان دونوں کے پار سجن

کر لیں آنکھوں کے دریا میں
ہم نے پلکیں پتوار سجن

کچھ دیر گلے لگ رو پائیں
ناممکن ہے دو یار سجن

دُکھ دریا

دِل دُنیا دُکھ دریا لوگو
لہر لہر بے تاب
موج موج اَن گنت جدائی
ساحل ساحل خواب

اک دریا پھِر پیاسا دریا
عجب حساب کتاب

بھنور بھنور کے اندر دیکھے
اور کئی گرداب

گھونٹ گھونٹ پانی کی تہہ میں
سو سو دُشت سراب

دِل دنیا دُکھ دریا لوگو
نئے سے نیا عذاب

مِٹھاس

رات رنگیلی جھلمِل بتیاں جلا جلا کر
چھیڑے مَن کے تار
سانوریا کے رنگ نرالے کر کر یاد ہنسے
رات رنگیلی کر کر یاد ہنسے
گاگریا سی بھری ہوئی چکیلی چال کے چلن پکارے
بانسریا کے سُر میں جیسے کوئی گیت بسے

سانوریا کی آنکھوں کے مہتابوں کو دل چھو کر آئے
جیسے پُھل جھڑیاں سی پھوٹیں
اندر اندر
اندر اندر بالموا کی خوشبو مہکے
مہکے پریت پیار
رات رنگیلی جھلمل بتیاں جلا جلا کے
چھیڑے مَن کے تار



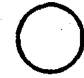
لیے پھرے ہے یار ترا دیدار سجَن
تھام کے مری مُہار ترا دیدار سجَن

دِل خود اپنے اندر جھانک کے کرتا ہے
اکھیوں کے اُس پار ترا دِیدار سجَن

جھلمِل جھلمِل لہرائے بینائی میں
شوخی کرے ہزار ترا دِیدار سجَن

آنکھوں کے دامن کو کھینچ کے قدم قدم
کرتا ہے اصرار تِرا دیدار سجن

کبھی کبھی دِکھلا دیتا ہے دُکھیوں کو
جِیون کے آثار تِرا دیدار سجَن



ممکن ناہیں بات نہ مانے
آپ کہیں اور رات نہ مانے

عجب فقیر توکّل والا
عشق کبھی خدشات نہ مانے

جاں ہر اِک موسم سے باغی
دل میرے حالات نہ مانے

ہجر میں ایسا کب ہوتا ہے
آنکھ کہے برسات نہ مانے

خود داری کا پیکر جوگی
چاہت کی خیرات نہ مانے

خاموشی کے ساز

دُنیا درد نہ جانے اَمڑی
دل سے دُور دراز
دل سے دُور دراز بسے ہے
دُنیا دُور دراز
اشک لہُو میں گھُل مِل جائیں
سینہ سِسک سِسک سہلائیں

آہیں بے آواز
دُور دُور تک روح میں گونجیں
خاموشی کے ساز
جانے کِس نُقطے پر جا کر
کُھلے غموں کا راز
ابھی تو ہے آغاز نی اَمڑی
ابھی تو ہے آغاز
دُنیا درد نہ جانے اَمڑی
دل سے دُور دراز

نامعلوم

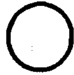
ہم دیوانے
بُھول بُھلیّاں کب تک کھیلیں
آخر کب تک انجانے رستوں میں بھٹکیں
جانے کِس کی خاطر گھر سے نکل پڑے تھے
جِتنا اُن دیکھا محسوس کیا ہے ہم نے
سب کب عادی ہوتے ہیں اِن باتوں کے
بُھول بُھلیّاں چُھو کر ہاتھ جلا بیٹھے

بھول بھلیّاں چل چل پیر گنوا بیٹھے
بھول بھلیّاں جھیل جھیل کے
اپنے سارے نام نشان مٹا بیٹھے ہیں
ہم دیوانے
بھول بھلیّاں کب تک کھیلیں
کب تک جھیلیں

بے کنار

عشق سمندر ساحل کیسا
کوئی آر نہ پار
چاروں سمت بھنور اِٹھلائیں
بن بن درد کے مور
لہریں اُونچا نیچا کھیلیں
کشتی بے پتوار

بے چینی سے جھگڑا کیسا
چُپ میں سو سو شور
ہار میں بھی اِک جیت انوکھی
جیت میں بھی اِک ہار
عشق سمندر ساحل کیسا
کوئی آر نہ پار



کچھ دیپ پڑیں گے جل سانول
کچھ دُور تلک تو چل سانول

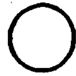
اُس سورج کا اُجیارا کیا
جو آپ گیا ہو ڈھل سانول

کبھی آ بس اُجڑے نینوں میں
کبھی دیکھ ہمارے تھَل سانول

تُو دِھیرج شانت حکیم پیا
میں دیوانہ بے کَل سانول

تُو عقلِ کُل تو سب دانا
میں مجنوں میں پاگل سانول

ترے پاس تمام مسیحائی
ترے پاس دُکھوں کا حل سانول



پھر پیا کے رہے قریب سجَن
پھر قسمت ہوئی رقیب سجَن

یہ پیار پریت کی رِیت عجب
یہ رسم رواج عجیب سجَن

کچھ پوچھو نہیں ہوئے کتنے
ہم تیرے بِنا غریب سجَن

ہم دیوانے بستی بستی
خود لے کے پھریں صلیب سجَن

اے بھاگ ہمارے جاگ کبھی
کبھی سونا چھوڑ نصیب سجَن

عجیب اُداسی

رات عجیب اُداس ہوئے ہم
ٹھہرے' نا بے چین ہوئے
زورا زوری ہنسے نہ روئے
اُجڑے' نا آباد ہوئے
حبس بھی کم تھا آزادی بھی
رونق بھی اور بربادی بھی

پلک پلک جاگے، نا سوئے
منزل پر پہنچے، نا کھوئے
کتنی عجب اُداسی تھی اس خالی پن میں
سارا کچھ تھا اور پھر کچھ بھی نہیں تھا من میں

سائیں سُکھ سُہاگ سلامت

سائیں سُکھ سُہاگ سلامت رہے پیا پردیس

جسم ملن سے وصل نا ہووے
نقلی شئے کبھی اصل نا ہووے
لاکھ بدل لے بھیس

سائیں سُکھ سُہاگ سلامت رہے پیا پردیس

دِن نکلے پر سحر نہ لاگے
ساجن بن گھر گھر نا لاگے
دیس نہ لاگے دیس
سائیں سُکھ سُہاگ سلامت رہے پیا پردیس

آسانوں مِل دُکھڑے کھیلیں

آ سانوں مِل دُکھڑے کھیلیں
رو رو حال کہیں

جیون کی اِک ایک مصیبت
گِن گِن رات گُزاریں
اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے
اصلی بات گُزاریں
رو رو خوشیاں یاد کریں ہم
ہنس ہنس درد سہیں

آ سانول مل دُکھڑے کھیلیں
رو رو حال کہیں

ہجر وصال کے قصے چھیڑیں
صبح سے کر دیں شام
دل کی روشنیوں سے لکھیں
رات پہ غم کا نام
اِک دُوجے کی اُنگلی تھام کے
غم کے سنگ رہیں

آ سانول مل دکھڑے کھیلیں
رو رو حال کہیں

آنکھوں کے دریا سے نکلیں
یادوں کے سو رنگ
کھینچ کھانچ کے دل لے جائیں
ہیر سیال کے جھنگ
ان رنگوں کی لہروں پر ہم

آ سانول مل دُکھڑے کھیلیں
ہو کر مست بہیں

شاعری اور محبت

شاعری شاید کوئی تلاش بھی ہے، کوئی مجسم تلاش جو ہر وقت کسی نہ کسی جہان اور کسی نہ کسی عالم کے کھوج میں سرگرداں رہتی ہے۔ کبھی انسان کے اندر سے کسی بالکل ہی نئے اور بظاہر اجنبی جہان کو ڈھونڈ لاتی ہے یا کبھی بہت سارے زمانوں میں سے کسی بہت ہی پرانے اور جانے پہچانے انسان کا کھوج نکال لاتی ہے۔

کبھی کبھی لگتا ہے جیسے شاید مجھے بھی شاعری کہیں سے ڈھونڈ لائی

ہے کسی بہت ہی پرانے اور گم شدہ زمانے میں سے' اور اب میری انگلی پکڑے سب کو دکھاتی پھر رہی ہے اور کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ خود میرے اندر سے نئے نئے شہروں کی دریافت اور نئی نئی جنتوں کے سراغ لگانے کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔ من پنچھی بے چین" کی شاعری ہوئی تو مجھے لگا میرے اندر کوئی نیا دروازہ کھلا اور شاعری نے ایک بار پھر میرے اندر کسی نئی بستی کا پتہ چلایا ہے۔ یہ کسی سانولے صحرا کے کنارے پر کچی پکی دھوپ کے سائبان تلے کسی کھٹی میٹھی زمین پر آباد' کوئی روئی ہوئی بستی ہے۔ جس کے در و دیوار آنسوؤں کی تصویروں سے اٹے ہوئے اور گلیاں انتظار سے بھری ہوئی ہیں۔ اک عجیب دیوانگی کے ہاتھوں مفتوح یہ بستی کسی دھیمی بے قراری کی چادر میں لپٹی ہوئی ایسی تنہائی ہے جو کھوکھلی بازگشت کے خوف سے کسی کو آواز بھی نہیں دے سکتی۔ ہر دفعہ مجھے لگتا ہے کہ شاید بس اب یہ آخری شہر ہے' آخری منزل ہے اور اب آگے سفر ممکن ہی نہیں۔ لیکن یہ بے بس کر دینے والی اور خود مسافت تک کو مسافر بنا ڈالنے والی پھر کسی نئے راستے پر لے کر چل پڑتی ہے اور مجھے تو اس وقت پتہ چلتا ہے جب سامنے پھر کوئی حیرت کوئی کشف کوئی عرفان آکھڑا ہوتا ہے اور میں پھر ایک خواب میں محصور ہو جاتا ہوں۔ یہ خواب در خواب کائنات یا کائنات در کائنات خواب شاعری کی انگلیوں پر ناچتی ایسی پتلیاں ہیں جن کے جسموں سے ڈوریوں کی بجائے محبت بندھی

ہے۔ اٹوٹ اور انمٹ محبت میں جتنا بھی سوچتا ہوں کہ میرے اندر محبت نے شاعری کو تلاش کیا ہے یا شاعری نے محبت کو اور الجھتا چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ شاعری ایک مجسم تلاش ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی جہاں یا انسان کی جستجو میں رہتی ہے۔

فرحت عباس شاہ

دل، ایک بے چین پنچھی

کسی بھی شاعر کے دل کا متبادل نام "من پنچھی بے چین" کے علاوہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اور پھر فرحت عباس شاہ کا دل! یہ فرحت عباس شاہ کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اس کی درجن بھر سے زیادہ کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا ہو یا پھر جس نے اس کو بہت قریب سے دیکھا ہو، اتنا قریب جہاں سے وہ خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اردو شاعری کا دامن بہت وسیع ہے اس میں غم ذات سے لے کر غم کائنات تک سب سما جاتے ہیں۔ مگر صنف سخن کوئی بھی ہو اس میں وسعت اور گہرائی تو شاعر کی اپنی اندرونی کیفیات سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اردو زبان میں غزل اور نظم کا بنیادی ڈھانچہ ابتدا میں ایران سے وارد ہوا اور برصغیر کے معاشرتی اور ادبی وجود میں رچ بس گیا۔ لیکن گیت کی صنف اس سرزمین کی تہذیبی اقدار، ثقافتی انداز اور علاقائی زبانوں سے اردو میں پروان چڑھی۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ہمیں اپنی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔

ادب کے کینوس پر ہر دور کا ادیب اپنی مخصوص تصویر بناتا رہا ہے۔ جسے اگر قبول عام کا درجہ حاصل ہو گیا تو اتنا حصہ اسی کے نام آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا گیا۔ ورنہ اسے مٹا کر کسی اور نقش کو جگہ تفویض کر دی گئی۔ یہ کینوس شاعری کی مختلف اصناف کی رنگا رنگ تصویروں سے مزین ہے۔ غزل، نظم، گیت مستند اساتذہ کی روایتی تقلید کے علاوہ تجرباتی اشکال میں یعنی آزاد نظم اور نثری نظم وغیرہ کی صورت میں بھی اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔ عصر حاضر کے شعرا نے بھی اس میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فرحت عباس شاہ نے تو سارے کا سارا کینوس صرف اپنی بنائی ہوئی تصاویر سخن سے ہی آراستہ کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اس نے جہاں اپنے نام کے سائز کی مختصر نظمیں لکھیں ہیں۔ تو دو اڑھائی سو صفحات کی ایک ہی طویل نظم پر مشتمل ایک کتاب "سرابی" بھی لکھی ہے۔ نثر اور تنقید پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ روایت سے جڑی ہوئی خوبصورت غزلیں صفحہ قرطاس پر بکھیری ہیں تو آزاد غزل کا تجربہ کر کے بھی اہل ذوق سے اپنے فن کا لوہا منوایا۔ غزل کے مضامین میں وہ اپنے ہمعصر شاعروں میں بہت منفرد نظر آتا ہے۔

تو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کسی روز میرے گھر میں اتر "شام کے بعد"

اتنی سادگی سے اتنی بڑی بات کہہ دینا صرف فرحت عباس شاہ کا ہی خاصہ ہے۔ یا پھر یہ شعر ملاحظہ ہو۔

الفاظ تلخ بات کا انداز سرد ہے
پچھلا ملال آج بھی گویا نہیں گیا

زیر نظر کتاب "من پنچھی بے چین" کی نظموں، گیتوں اور غزلوں میں ہندی رنگ اور علاقائی فوک کا ایک عجیب و غریب مرقع ہے۔ اس کی مختصر نظموں کی ہیئت دریا کو کوزے میں بند کرنے کی بجائے کسی سمندر کو کاغذ میں لپیٹنے کی سی ہے:

"دن کو آدھا آدھا کر لینے میں
کوئی حرج نہیں ہے
رات کی بات الگ ہے ساجن
رات کی بات الگ"

ویسے تو ہر شاعر اپنی دانست میں کائنات، موجود و غیر موجود، موت و حیات کا ایک فلسفہ مد نظر رکھتا ہے۔ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں انسان کی نفسیات اور مختلف کیفیات کا تجزیہ کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شاعر فرحت عباس شاہ کی طرح علوم فلسفہ اور نفسیات میں باقاعدہ ایم۔ اے کی ڈگریاں بھی رکھتا ہو تو سونے پہ سہاگہ ہے۔

"سورج کے سینے کے اندر
نیزہ گاڑے کون"

اس کی دو مصرعوں پر مشتمل یہ مکمل نظم بعنوان "کمتری" پڑھ کر قاری ایک عجیب طرح کی کم مائیگی کے احساس میں گھر جاتا ہے۔ اسے شاعر کے ساتھ ساتھ باقی سب لوگ بھی چھوٹے چھوٹے کمزور بونے دکھائی دینے لگتے ہیں جو اپنے مدمقابل برائیوں اور مشکلات کو ایک ہاتھی کے روپ میں

موجود پا کر سوچتے ہیں کہ اس کو نکیل کون ڈالے گا۔

مؤثر شاعری ہمیشہ ہی آمد یا الہامی کیفیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس میں آورد اور ڈکشنری سے حاصل کی ہوئی لفاظی، مشکل تراکیب اور خودساختہ استعاروں کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے۔ فرحت عباس شاہ کا کلام پڑھنے سے عقیدہ اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

فرحت عباس شاہ نے جھنگ کی معروف رومانی اور شاعرانہ فضا میں آنکھ کھولی، پیپل اور شیشم کی چھاؤں میں دیہات کے روح افزا ماحول میں پل کر جوان ہوا علم، علم کی تشنگی اسے شہر میں بھی کھینچ کر لائی جہاں اس نے فلسفہ اور نفسیات کے علوم پر عبور حاصل کیا مگر.......

"سات سمندر گہرائی میں اتر کے دیکھا
پھر بھی لاگے
ایک سمندر اور ابھی ہے
ایک سمندر اور"

علم واقعی ایک تہہ در تہہ کبھی نہ ختم ہونے والے سمندروں کا ایک سلسلہ ہے۔ فرحت عباس شاہ نے اپنی نظموں اور گیتوں میں علاقائی تہذیب اور زبان کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔

اس نے محبوب کو ماہی، ساجن، سنوریا، ڈھولا، پیا، سانول اور سائیں جیسے القاب سے مخاطب کر کے ہر علاقے کے قاری کے لیے اپنائیت کا احساس اجاگر کیا ہے۔

"کبھی آ بس اجڑے نینوں میں
کبھی دیکھ ہمارے تھل سانول"

"پھر پیا کے رہے قریب سجن
پھر قسمت ہوئی رقیب سجن"

31 مارچ 1996ء

پروفیسر ڈاکٹر زاہد امیر
E-383 جوہر ٹاؤن، لاہور

لسانی ارتقاء میں فرحت کا حصہ

تاریخ ادب میں بہت کم تخلیق کار ایسے ہیں جن کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا اور پیشین گوئی کرنا ناممکن حد تک مشکل ہو۔ فرحت شاہ ایک ایسا شاعر ہے جس کے فنی ارتقاء کے حوالے سے کسی حتمی تخمینے اور پیشین بینی کے قابل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ لفظ، ہیئت اور معنویت کے حوالے سے اس کے فنی تنوعات کا دائرہ انتہائی وسیع اور عدیم المثال ہے۔ وسعت تجربات کے باوجود اس کے ہاں محض خارجی اور لفظی توڑ پھوڑ کا کہیں بھی نام و نشان نہیں ملتا جس سے شعریت معدوم ہوئی ہو۔ یہی شعریت ہے جو اس کے اسلوب کو اس کی تمام شاعری میں استقامت اور وحدت دیتی ہے۔ ورنہ اتنے لاتعداد تجربات کے بعد اسلوب کا منتشر اور معدوم ہونا ممکن تھا۔ میرے نزدیک فرحت کے تمام تجربات خارجی منصوبہ بندی ہونے کی بجائے اس کے خالص وجدانی عمل کا حصہ ہیں۔ وحدت فکر اور ایک منظری فلسفے کا ظہور اسی تخلیقی کا منبع کے ثمرات ہیں۔

اردو زبان کی ماہیت اور تاریخ کے پیش نظر اس کے ارتقاء میں مختلف لسانی تجربات کی موجودگی بہت حد تک فطری اور ناگزیر تھی۔ اردو ادب میں جو لسانی تجربات کیے گئے ان میں بعض بنیادی حقیقتوں کو نظرانداز

کیا گیا۔ ان میں اہم بات یہ تھی کہ کسی بھی زبان کا ارتقاء جہاں ایک کلّ وجود کی صورت میں جاری رہتا ہے۔ وہاں اندرونی طور پر بھی زبان کے مختلف شعبوں کا ذیلی طور پر نشو و ارتقاء کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ شعبے ادب، سائنس اور عمومی زبان پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان کا ہر دائرہ اور شعبہ ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ تاہم باہمی اثر پذیری کے باوجود ہر شعبے کا اپنا انفرادی تشخص موجود رہتا ہے۔ ادبی زبان بالخصوص شعری زبان کا اپنا ارتقاء ہوتا ہے۔ اردو ادب میں کیے جانے والے مذکورہ لسانی تجربات میں زبان کے اس باطنی امتیاز کا شعور موجود نہیں۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ لسانی تجربے اکثریت میں خارجی اور معروضی منصوبہ بندی پر مبنی تھے اور ان کا ماخذ تخلیق کار کے تخلیقی عمل او فنی وفور کی بجائے لفظی توڑ پھوڑ اور ڈرامہ خیزی تھی۔ چنانچہ شاعری میں لفظی تصادم کا سامان پیدا ہوا۔ شعریت اور خالص پن کی جگہ دھینگا مشتی او کھردرے پن نے لے لی۔ شعری زبان کا ذات کی عمیق گہرائی اور تخلیقی واردات سے پھوٹنا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی شعری زبان کا ارتقاء باطن سے ظاہر کی طرف ہے جب کہ عمومی زبان یا (Layman language) پر ظاہری اثرات غالب رہتے ہیں۔ شعری زبان کا ارتقاء بلاشبہ واردات سے وابستہ ہے۔ اس زبان کی اہمیت تہذیبی نوعیت کی ہوتی ہے۔ جو محض ابلاغ کا ایک ذریعہ ہونے سے کہیں زیادہ فرد اور معاشروں کی Transformation سے وابستہ ہوتی ہے۔

فرحت کے ہاں منفرد لفظی تراکیب اس کی عام شاعری میں اپنی تمام تر تازگی اور نئے پن کے ساتھ موجود ہیں جن میں طبع زادگی غالب ہے۔ اس نے اپنے شعری سفر میں ایک نئے لسانی کلچر اور لفظی تہذیب کی تعمیر بھی

کی ہے۔ اس کے ہاں لفظ واردات سے پھوٹتے ہیں۔ جو ایک منفرد احساس اور نئی معنویت کی ارفع حالتوں کو جنم دیتے ہیں۔ فرحت کی ذات و واردات اس کی مٹی، اس کی تہذیب و تاریخ کے فطری شعور سے آراستہ ہے۔ اپنی تہذیب اور مٹی کے مزاج و انداز کا اظہار اس کی تمام شاعری میں موجود ہے۔ اس کے ہاں پنجابی، ہندی، لفظی تراکیب بالخصوص موجود رہی ہیں۔ "من پنچھی بے چین" کی شعریت اسے پنجابی اور ہندی کے قدرے لفظی اور صوتی ارتکاز کی طرف لے گئی ہے۔ فرحت کے تمام شعری سفر میں کہیں معنوی، کہیں جذبی و احساساتی اور کہیں آہنگی ارتکاز کے مقامات نظر آتے ہیں لیکن فرحت کا کمال یہ ہے کہ وہ کسی ارتکاز میں مقید نہیں ہوا اور اپنے باقی تمام شعری وجود سے منقطع نہیں ہوا۔ ہماری جدید شاعری میں ہندی لفظیات کا ارتکاز بعض شاعروں کے ہاں موجود ہیں۔ اس حوالے سے میراجی کی مثال اہم ہے۔ اسی طرح فارسی تراکیب اور لسانی رنگ ہمیں ن م راشد میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح پنجابی لفظ و لہجہ شیر افضل جعفری کے ہاں نظر آتا ہے لیکن ان مذکورہ شعرا کے ہاں ہیئت، معنویت اور اسی طرح زبان کا وہ تنوع نہیں ہے جو فرحت کے ہاں موجود ہے۔ فرحت کی اپنی تہذیب سے باطنی وابستگی اسے اپنے تمام لسانی، ثقافتی، تاریخی اور فکری مزاجوں سے آشنا کرتی ہے اور یہ آگہی اور وابستگی فرحت کو لسانی قدرت و وسعت کی سمت لے جاتی ہے۔

عجیب صورت حالات ہے جہاں میں ہوں
نہ جانے دن ہے کہ اب رات ہے جہاں میں ہوں

"من پنچھی بے چین" بے پناہ موسیقیت، اور رومانیت سے لبریز ہے۔ فرحت کی تمام شاعری کا تخلیقی محرک جذبہ محبت ہی 'من پنچھی بے

چین' کی روح ہے لیکن یہاں محبت کا خالصتا" وہ مزاج' انداز' اظہار اور مفہوم رچا ہوا ہے جو ہماری اپنی مٹی سے جنم لیتا ہے۔ اس کی اپنی منفرد شناخت ہے۔ یہ محبت کا وہ انتہائی اظہار و تجربہ (Ultimate experience and expression) ہے جو ایک عالمگیر فلسفے کو جنم دیتا ہے۔ اس جذبے کی آبیاری میں نہ جانے کتنی فکری روایات کا جوہر شامل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں صوفی روایت بالخصوص پنجابی صوفیانہ روایت اس حوالے سے خالص ترین مثال ہے۔ فرحت کے ہاں یہ جذبہ و معنویت اس کے پنجابی مجموعے "دل دے ہتھ مہار" میں بھی موجود ہے۔ اس سے پیشتر یہ عناصر اس کی اردو شاعری میں بھی موجود ہے۔ "صحرا خرید لائے ہیں" اور "دکھ بولتے ہیں" کی کئی تخلیقات میں یہ معنوی رموز موجود ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ ادب اور شاعری وہی ہوتی ہے جس میں زمینی وابستگیوں کی خوشبو بسی ہو اور شاعری میں اس نوع کے چند تجربات ہوئے ہیں لیکن زیادہ تر واردات سے عاری اور محض فیشن کی حد تک ہیں جن میں ایک مصنوعی پن صاف طور پر نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس "من پنچھی بے چین" کی شاعری کی اساس وہ جذبہ محبت ہے جو مٹی سے پھوٹتا ہے اور پھر جس کا پھیلاؤ رفتہ رفتہ رشتوں اور تہذیبی عناصر کے معروضی وجود سے وسیع اور ماوراء ہوتا چلا جاتا ہے چنانچہ جذبہ محبت انسانی حوالوں سے کائناتی وسعتوں اور حقیقت مطلق کے عرفان تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ پنجابی صوفی روایت کا یہی امتیاز ہے جو اسے عالمی ادب کی سطح پر لاتا ہے۔ "من پنچھی بے چین" کی شاعری میں نفی ذات کا تاثر جابجا موجود ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محبت میں اور عشق حقیقی کے حوالے سے صوفیا کی شاعری میں نفی ذات کی روایت رہی ہے اور من و تو کی دوئی کو ختم کرنے کے لیے مجاہدہ

کی کیفیت موجود ہے۔ بالخصوص محی الدین ابن عربی سے وابستہ وحدت الوجودی فکر کا یہ امتیازی وصف رہا ہے۔ چنانچہ ہماری ثقافت میں محبت سے مراد مکمل Submision ہے۔ جذبہ محبت کا اظہار عمومی اور ارفع ہر سطح پر اسی انداز سے عبارت ہے۔ فرحت کے حوالے سے یہ بڑا اہم سوال سامنے آتا ہے کہ فرحت کی گزشتہ اردو شاعری میں فرحت کی ذات ایک متحرک' باشعور اور قائم بالذات وجود اور انا کے طور پر متشکل ہوتی ہے۔ "من پنچھی بے چین" کی شاعری میں انانیت کی بجائے سپردگی اور (Submission) کا انداز آتا ہے۔ کیا انا اور ذات محض فریب اور التباس ہیں؟ میرے خیال میں فرحت کے ہاں مطلق طور پر نفی ذات نہیں بلکہ اپنے تمام وجود کے اثبات و ایقان کے ساتھ سپردگی ہے۔ ایک اور پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ "من پنچھی بے چین" کی شاعری محض اظہار کے مقصد کی منصوبہ بندی کے تحت وجود میں نہیں آئی بلکہ فرحت کے ہاں شدت واردات و احساس زبان اور لفظ کے ہر لہجے اور ہر معانی تک اترتی ہے۔

فرحت کی تمام شاعری میں جہاں استقامت اسلوب' ایک لہجہ اور لسانی ربط موجود ہے۔ وہاں معنوی تضاد موجود نہیں ہے۔ اس کی فکر اور اس کے جذبے میں وحدت اور ارتقاء نظر آتا ہے۔ اس کا اساسی جذبہ ہی ہیتوں کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے ہاں زبان اور لہجہ' فکر احساس اور ہیئت جیسے تمام عناصر ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں اور باہمی طور پر ارتقاء پذیر ہیں۔ اس کی تمام شاعری میں کہیں یہ کھٹکنے والی دوئی نظر نہیں آتی۔

"من پنچھی بے چین" کی شاعری میں گیت اور کافی کے رچاؤ سے غزل کا پیکر وجود میں آیا ہے۔ اس غزل میں آہنگ و موسیقیت غالب ہے۔

فارسی اثر تقریباً" معدوم ہے۔ بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو بیک وقت اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے مکمل اشعار ہیں۔

مثال کے طور پر یہ شعر

مین پنچ، کنیز، گدا ڈھولا
مری اجڑی مانگ سجا ڈھولا

"من پنچھی بے چین" کی مختصر نظمیں مکمل فکری اکائیوں کی حقیقت رکھتی ہیں۔ جن کا (Impact) اور تاثیر بہت زیادہ ہے۔ یہ عارفانہ موضوعات اور عالمگیر فکر سے وابستہ ہیں۔ اس کے ساتھ یہ لہجے، فکر اور تاثر کے حوالے سے "من پنچھی بے چین" کی غزلوں سے بہت ہم گداز ہیں۔ مجموعہ کلام سے چند تخلیقات ملاحظہ ہوں۔

"کائنات"

بس اک تجھ سانول کی ذات ہے
اپنا کل جہان
باقی وہم گمان

"قدر"

بے چینی انمول دوانے
بے چینی انمول
مٹی میں مت رول

"گریہ"

بارش وار برس جاتی ہے
بادل رو کے کون
آنسو پونچھے کون

"تضاد"

بھولی بھالی شکلوں والے
سو سو کریں فریب

"معرفت"

سات سمندر گہرائی میں اتر کے دیکھا
پھر بھی لاگے
ایک سمندر اور ابھی ہے
ایک سمندر اور

"کمتری"

سورج کے سینے کے اندر
نیزا گاڑے کون

"تقسیم"

دن کو آدھا آدھا کر لینے میں
کوئی ہرج نہیں ہے

رات کی بات الگ ہے ساجن
رات کی بات الگ

"محبوب"

من کے اندر تاڑ لگا کر بیٹھ گیا ہے
دھوکہ کیسے دوں

"اختیار"

ایک ستارہ ماتھے پر ہے
ایک ستارہ دور

"اوقات"

سورج کے کشکول میں
سکہ ڈالے گا تو
تیرا اپنا چھوٹا پن جل جائے گا

"عشق"

سات سمندر تیر آتی ہے
ایک اکیلی جان

"اماں نی"

اماں نی میری آنکھیں ترسیں
سانول آس نہ پاس
اماں نی میری نیندیں بھاگیں
مجھ سے کوسوں دور
اماں نی مرے سپنے ٹوٹے
چبھ گئی سینے پھانس
اماں نی میں پیاس سے تڑپی
دل دریا کے بیچ
اماں نی مری سنے نہ کوئی
ہاری کر کر بین
اماں نی مری کشتی ڈوبی
عین کنارے پاس
اماں نی مرا سانول بچھڑا

ساون رت کے پار
اماں نی مرے اندر بادل
بارش روکے کون
اماں نی میں ہوئی اکیلی
شہر میں ایک ہجوم
اماں نی میں نے چاند چرایا
جیون ہوا اندھیر
اماں نی میں نے عشق کیا ہے
سہہ لونگی حالات
اماں نی میرے نین سہاگی
دل برہا کی مانگ

چپ نہ رہو بے چین مسافر
بیت چلی ہے رین مسافر

اور نہیں تو دل کے بارے
کچھ تو کہیں گے نین مسافر

جنگل میں کوئل کرلائے
ہرسو گونجیں بین مسافر

تیری آس میں رو دیتی ہیں
شام ڈھلے طرفین مسافر

گرد میں گرد ہوا آخر کو
رستوں کے مابین مسافر

پاؤں سے جانے کون اتارے
چھالوں کی نعلین مسافر

پی نہ ملن کو آئے سانول
من پنچھی کرلائے سانول

دل محتاط طبیعت والا
بن پریتم پچھتائے سانول

تیری آس پہ بیٹھے بیٹھے
برکھا بیت نہ جائے سانول

اندر بیٹھا ڈیرے ڈالے
گھڑی گھڑی بھکائے سانول

آگ لگا جائے اشکوں میں
پلکوں کو سلگائے سانول

بھیڑ سے سہا ہوا ہوں شاید
تنہائی بہلائے سانول

کون دلاسہ دے زخموں کو
کون انھیں سمجھائے سانول

غم آ جاتے ہیں رستے میں
دامن کو پھیلائے سانول

ہنستا رہنے والا فرحت
چھپ چھپ نیر بہائے سانول

"تن تنہا"

ہم تو تیری خاطر سائیں
اپنے آپ سے بھی لڑنے کو نکل پڑیں گے
لیکن سائیں
ان کاموں میں بستی ساتھ نہیں دیتی
یہ بھی ممکن تھا کہ ہم بھی
بستی بن کے چپ سادھے آرام کریں
لیکن سائیں
ان کاموں میں ہستی ساتھ نہیں دیتی

"دیوار"

ورنہ تو ہم کبھی نہ بچھڑیں
شام اور مجھ کو
رات الگ کر جاتی ہے۔

"بات نرالی"

سائیں کی ہر بات نرالی
کبھی کبھی تو
دانا دنکا چگنے والے
پنچھی بھی بھٹکا دیتا ہے
کبھی کبھی تو
عمر کے بھولے بھٹکے ہوئے پرندوں کو بھی
گھر کی راہ دکھا دیتا ہے
